۱۹۸۷ء، ۳۳۶ص۔ (مزید ۳۲ مصاحبے۔ ابوطارق، پروفیسر رحیم بخش شاہین کا قلمی نام تھا)

۱۰۱- **وثائق مودودی**: (مرتب: سلیم منصور خالد) ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۸۴ء، ۱۰۰ص۔ (سید موصوف کی تعلیمی اسناد، ۸ اور دس سال کی عمر کے تحریروں اور بعض دیگر نوادرات کے عکس۔ جہازی سائز پر نفیس اور خوب صورت طباعت)

۱۰۲- **ہندستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب**: مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۸ء، ۹۷ص۔ (نگار لکھنؤ میں، اکتوبر، نومبر اور دسمبر ۱۹۲۴ء میں شائع شدہ ایک طویل مقالہ۔ پہلی قسط جناب نیاز فتح پوری نے اپنے نام سے چھاپ لی تھی، مصنف کے احتجاج پر، باقی ۲ قسطوں پر ان کا نام دیا گیا)

۵

۱۰۳- **المسئلة الشرقيه**: ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۴ء، ۳۸۳ص۔ (مصطفیٰ کمال پاشا کی عربی تصنیف کا اُردو ترجمہ)

سید مودودیؒ کے ذخیرۂ علمی کا ایک حصّہ (بیسیوں تقاریر اور مضامین) ابھی تک اخبارات و رسائل کے اوراق میں گم ہے۔ علاوہ ازیں بعض تقریریں اور مضامین کتابوں کی صورت میں بھی ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- آزادی [۱۹۶۸ء]، ۲- آیندہ انتخابات، ملک کی نجات کا واحد راستہ [۱۹۷۰ء] ۳- آیندہ انتخابات اور قوم کی ذمہ داری [۱۹۷۰ء] ۴- اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت [۱۹۶۹ء] ۵- ۱۹۶۷ء کی رہائی کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی پہلی تقریر [۱۹۶۷ء] ۶- بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مسئلہ [۱۹۸۲ء] ۷- پاکستان کے انتخابی نتائج اور ان میں جماعت اسلامی کی پوزیشن، ۱۹۷۱ء ۸- تحریک اسلامی: کامیابی کی شرائط، ۱۹۶۴ء ۹- تحریک پاکستان اور جماعت اسلامی [۱۹۶۷ء] ۱۰- تقریر ڈھاکا،

۱۹۶۳ء ۱۱- توحید اور شرک [۱۹۷۷ء] ۱۲- توحید کی برکات [۱۹۷۳ء] ۱۳- جماعت اسلامی اور پاکستان [۱۹۷۰ء] ۱۴- جماعت اسلامی کو ووٹ کیوں دیا جائے؟ [۱۹۷۰ء] ۱۵- جماعت اسلامی کی پالیسی اور پروگرام [۱۹۷۰ء] ۱۶- جماعت اسلامی کی دعوت، ۱۹۴۸ء ۱۷- خطاب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی [۱۹۷۳ء] ۱۸- دستوری تجاویز [۱۹۵۲ء] ۱۹- عملی جہاد سے قلبی جہاد تک [۱۹۶۵ء] ۲۰- قومی وحدت کی مضبوط بنیادیں ۱۹۸۴ء ۲۱- موجودہ انتخابی معرکے پر سیر حاصل تبصرہ [۱۹۷۷ء] ۲۲- مولانا مودودی کا دورۂ مشرق وسطیٰ [۱۹۵۷ء] ۲۳- مولانا مودودی کی دو اہم تقریریں اور مرکزی مجلس شوریٰ کی اہم قراردادیں [۱۹۷۲ء] ۲۴- وقت کے اہم مسائل اور ان میں جماعت اسلامی کا موقف، ۱۹۷۰ء وغیرہ۔

آخر میں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ بعض کتابیں، سیّد مودودی کے متذکرہ بالا ذخیرۂ علمی کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہیں مثلاً: • تفہیم الاحادیث، ۸ حصّے (مرتب: عبدالوکیل علوی)، لاہور • تحریک اور کارکن (مرتب: خلیل احمد حامدی)، لاہور • نصرانیت، قرآن کی روشنی میں (مرتبین: نعیم صدیقی، عبدالوکیل علوی) لاہور، ۱۹۸۵ء • یہودیت، قرآن کی روشنی میں (مرتبین: نعیم صدیقی، عبدالوکیل علوی)، لاہور • اُمت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل (مرتب: خلیل احمد حامدی) لاہور، ۱۹۸۲ء وغیرہ۔

اس نوعیت کی متعدد کچھ اور کتابیں بھی مرتب اور شائع ہوئی ہیں (اور یہ سلسلہ جاری ہے) مگر یہ سب تصانیفِ مودودی کے منتخبات (selections) پر مشتمل ہیں اور ان کی حیثیت 'مکرّرات' کی ہے۔ اس لیے انھیں باقاعدہ فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔

غیر مسلم معاشرے میں رہنمائی

پروفیسر عبدالمغنی ○

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ درحقیقت عصر حاضر کی سب سے بڑی انسانی تحریک کے علم بردار تھے۔ وہ ایک آفاقی مفکر تھے اور اصلاح و انقلاب کی جو دعوت انھوں نے دی' وہ پورے عالمِ انسانیت کے لیے تھی۔ ان کی قائم کی ہوئی تنظیم کا اصل مقصد انسان سازی کا ایک عظیم معرکہ بالکل ناموافق حالات میں سر کرنا تھا۔ آزادی' برابری اور برادری کے جو نعرے لگائے جاتے رہے ہیں' ان کو انھوں نے ایک ٹھوس' منطقی اور تجزیاتی بنیاد اپنے عالمانہ و حکیمانہ لٹریچر سے فراہم کی۔

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دورِ جدید کے ہر مسئلے کا حل پیش کیا۔ مذہب' معاشرت' معیشت اور سیاست کے موضوعات پر ان کی مدلل بحثیں معلومات افزا اور بصیرت افروز ہیں۔ ان کا تصورِ دین زندگی کے ہر گوشے پر محیط تھا۔ وہ رسمی فرقہ وارانہ مذہب کے بجاے ایک کائناتی نظریۂ حیات کے قائل تھے۔ اسی لیے وہ اسلام کو ایک ہمہ گیر انسانی نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور قرآن و سنتِ رسولؐ کو انسانیت کا مشترک سرمایہ سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں مسلم اور غیر مسلم معاشرے کی تفریق کرنے کی ضرورت نہیں' اگرچہ عملاً اسلامی تحریک کے اولین مخاطب' ذمہ دار اور کارکن ظاہر ہے کہ مسلمان ہی ہوں گے۔ یہ اسلام کا اصولی موقف بھی ہے' جس کا روے سخن سب کی طرف ہے' اس لیے کہ وہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا دین ہے اور اس کے آخری پیغام بر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن اس دین کی اشاعت اور اقامت کا علم تو قدرتی طور پر وہی لوگ اٹھائیں گے جو اس پر ایمان رکھتے اور عمل کرتے ہوں۔

○ سابق وائس چانسلر' ایل این متھلا یونی ورسٹی' دربھنگا' بہار' بھارت۔

مولانا مودودیؒ نے دعوت دین، فہم دین اور اجتماعیت کے لیے اپنی فکرمندی کو جس انداز سے پیش کیا، اس کا سب سے اہم ماخذ ان کی تصانیف ہیں۔ یہاں پر اس حوالے سے میں اپنے موضوع کو زیر بحث لاؤں گا۔

○ **دینیات:** اس تناظر میں مولانا مودودیؒ کے وسیع لٹریچر کی پہلی کتاب دینیات ان کا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کتاب میں فقہ کے مسائل نہیں ہیں، صرف اصل دین اور اس پر ایمان کی تبلیغ، حکمت کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ فطرت کے عام مظاہر، قوانینِ قدرت، کائناتی حقائق اور زندگی کی تسلیم شدہ حقیقتوں، نیز معروف انسانی صداقتوں کو دل نشیں، اور عام فہم دلیلوں کے ساتھ پُراثر طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ ان دلیلوں سے کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا انسان انکار نہیں کرسکتا، اس لیے کہ اس کے سامنے روزمرہ کے واقعات اور مشاہدات صاف صاف رکھ دیے گئے ہیں۔ مسلم اور غیرمسلم دونوں ہی ان واقعات و مشاہدات پر غور کر کے تمام الجھنوں کے درمیان چھپی ہوئی سچّائی کا سراغ بآسانی لگا سکتے ہیں۔ غیرمسلم معاشروں میں رائج زبانوں میں دینیات کا ترجمہ اپنا اثر بخوبی دکھا رہا ہے۔ اس کتاب میں آدمیت کی معروف قدریں ہر شخص کے سامنے نکھر کر آجاتی ہیں اور اس کے دل پر دستک دیتی ہیں۔ دینیات براہِ راست ضمیرِ انسانیت کو اپیل کرتی ہے اور اس کے الستُ بربکم کے جواب میں قالوا بلٰی، کے اسرار و رموز آشکار ہوتے ہیں۔ یہ انسان کے ذہن کو خودشناسی سے خداشناسی تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ توحید، یعنی وحدتِ الٰہ کا پیغام دیتی ہے، جو انسانی وحدت و اخوت کا واحد نظریہ ہے، جس کی بنیاد پر ہر قسم کے رائج الوقت تفرقوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ''وحدت آدم'' (اقبالؒ) کا یہ آفاقی پیام ہی عالمی جنگوں کے خاتمے اور عالمی امن کے قیام کی فضا سازگار کرسکتا ہے۔

○ **مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش:** اس موضوع پر مولانا مودودیؒ نے اس وقت قلم اٹھایا، جب آزادی سے قبل ہندستان میں فرقہ وارانہ سیاسی کش مکش بہت تیز ہوگئی تھی اور مسلم و غیرمسلم فرقوں کے رہنما اور جماعتیں بڑی تیزی کے ساتھ تصادم کی طرف جارہے تھے۔ اس فرقہ پسندانہ نزاع میں مسلمان اسلام کا نعرہ لگا کر غیرمسلموں کو دینِ فطرت سے برگشتہ کر رہے تھے۔ لہٰذا مولانا نے واضح کیا کہ اسلام کوئی فرقہ پرستانہ مذہب نہیں ہے، جس پر کسی نسلی فرقے کا اجارہ ہو، بلکہ یہ ایک آفاقی نظریۂ حیات ہے، جو انسانیت کی مشترکہ میراث ہے اور بلا لحاظِ فرقہ و طبقہ کوئی بھی

اس پر ایمان لاکر عمل اور اپنی صلاح وفلاح کا سامان کرسکتا ہے۔ غیرمسلم معاشروں میں تحریکِ اسلامی کے لیے یہ سب سے بڑی رہنمائی تھی، جو مولانا مودودیؒ کی تحریر سے ملی۔ چنانچہ مولانا نے مسلمانوں کو ایک انتہائی نازک اور پیچیدہ صورت حال میں مشورہ دیا کہ وہ فرقہ پرستانہ سیاست سے الگ ہوکر اور اوپر اٹھ کر اسلام کی نظریاتی دعوت ہر فرقے کے انسانوں کو عمومی طور پر دیں۔ انسان دوستی کی یہ صلاے عام اتنی بلند ہوئی اور پرکشش ثابت ہوئی کہ بعض وقت غیرمسلموں کے ایک بڑے لیڈر نے جماعت کے جلسۂ عام میں بطور سامع شرکت کر کے اس کے پیغام کے لیے اپنی پسندیدگی کا برملا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے مہاتما گاندھی نے اپنے مثالی وعلامتی رام راج کی تشریح عملی اور تاریخی طور پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافتِ راشدہ کے حوالے سے کی۔

○ **الجھاد فی الاسلام**: یہ موضوع ماضی میں بھی بحث انگیز رہا ہے اور آج بھی پوری دنیا میں وقت کا سب سے گرم موضوع بنا ہوا ہے، مگر اس کی حقیقت عام طور پر مسلمانوں اور غیرمسلموں دونوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہی ہے۔

مولانا مودودیؒ کی اس معرکہ آرا تصنیف نے جہاد کی اصل نوعیت واہمیّت تحقیقی طور پر واضح کردی۔ انھوں نے ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت کر دیا کہ اسلامی جہاد صرف خدا کی راہ میں نیکی، حق اور صداقت کے لیے انتہائی کوشش کا نام ہے۔ یہ ہرگز کوئی جارحانہ وظالمانہ قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد نہیں ہے۔ یہ مظلوموں کا دفاع ہے۔ اس کا مقصد عدل اور امن کا قیام ہے۔ یہ خفیہ تخریب کاری نہیں، تعمیر وترقی کی علانیہ کوشش ہے۔ اس کی کچھ ضروری شرطیں ہیں۔ یہ افراد کی قانون شکنی نہیں، ریاست کا آئینی اقدام ہے۔ اس میں عہد شکنی کی کوئی گنجایش نہیں، بلکہ بین الاقوامی معاہدات کی سخت پابندی ہے۔ یہ جنگ وامن کا اسلامی قانون ہے، جس پر عمل کرنے کا اختیار صرف اسلامی حکومت کو ہے، جب کہ اسلام میں جارحیت کا کوئی تصور نہیں۔ دفاعی جنگ کی حالت میں بھی بے قصور اور پُرامن شہریوں کو اسلام جان ومال وآبرو کا تحفظ دیتا ہے، قیدیوں کے ساتھ انسانی برتاؤ کی تاکید کرتا ہے، لڑنے والے مقتولین کی لاشوں تک کی حفاظت کی ہدایت کرتا ہے، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کے کارکنوں کو ہر قسم کی ضروری سہولت کی ضمانت دیتا ہے، فتح کے متکبرانہ مظاہر تک سے منع کرتا ہے۔ مجاہد، دشمنوں کا بھی محافظ بن کر دیارِ غیر میں قدم رکھتا ہے۔

اسلامی جہاد کی یہ صحیح تصویر آج کی مہذب کہلانے والی غیرمسلم طاقتوں کو اسی طرح تہذیب کا

سبق دیتی ہے، جس طرح عہدِ وسطیٰ کے انتہائی طاقت ور متمدن ملکوں کو اس نے انسانیت کا سبق سکھایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ و امن کے جتنے بھی مہذب قوانین آج اصولاً رائج ہیں وہ سب اسلامی جہاد کے وضع کیے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ غیر مسلم معاشروں اور خود مسلمانوں کو اس تاریخی حقیقت کی یاد دہانی کرائی جائے۔ رہا جبر وظلم کے مقابلے میں اعلائے کلمۂ حق تو یہ افضل جہاد ہر حال اور ہر مقام میں مسلمانوں اور غیر مسلموں، سب کے سامنے احقاقِ حق اور قیامِ عدل کے لیے کیا جاسکتا ہے، مگر اس شہادتِ حق کی شرطیں بھی وہی ہیں جو جہاد کی ہیں، جو دراصل راہِ خدا اور صراطِ مستقیم کی طرف حکمت و موعظت کے ساتھ دعوتِ بلیغ ہے۔

○ **خلافت و ملوکیت:** جمہوریت یا عوامیت ابتدا ہی سے اصولاً ایک ناقص طرزِ حکومت رہا ہے اور اب پوری دنیا میں بوسیدہ و فرسودہ اور از کارِ رفتہ ہو چکا ہے۔ یہ محض تعداد و مقدار پر مبنی اوصاف و اقدار سے خالی ایک جابرانہ وطیرۂ اقتدار ہے، جس میں عددی اکثریت و اقلیت کا کھیل جوڑ توڑ، خرید و فروخت اور سازش و الزام سے بالکل عامیانہ طور پر، انتہائی بے کرداری سے کھیلا جاتا ہے۔ اس میں درحقیقت راے عامہ کو ہموار کرنے کے بجاے سطحی 'عوام فریبی' سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کا پارلیمانی طریقہ برطانیہ میں اور صدارتی طریقہ امریکہ میں رسوا ہو چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں ملوکیت اور نوابی یا جاگیرداری کے نظام پہلے ہی نامقبول ہو کر رد ہو چکے ہیں۔ آمریت اور اشتراکیت بھی ناپسندیدہ اور استبدادی اطوارِ حکومت ہیں۔ قابلِ اعتبار، معیاری اور مفید سیاسی نظام وہ ہے جس میں مخلص اور سنجیدہ اہل الراے عوام کی حقیقی نمایندگی کریں۔ یہ باشعور اور باکردار افراد کی وہ شورائیت ہے جس کے فیصلوں کو عوامی اعتماد اور تائید حاصل ہو۔ یہ افراد اپنا اعتبار ایک صالح نصب العین کے ساتھ وابستگی اور اس کے تحت عمل کی، دنیا اور آخرت میں جواب دہی سے قائم کرتے ہیں۔

اسلام کی اصطلاح میں اس کا نام خلافت ہے، جس میں خدا اور رسولؐ کی نیابت کا تصور انسانی فطرت کی اُس خودسری اور سرکشی پر روک لگا دیتا ہے جو ملوکیت کی روح رواں ہے۔ یہ بادشاہی کی وہ اسپرٹ ہے جو رائج الوقت جمہوری کہلانے والے نقالوں میں بالکل نمایاں ہے، ٹھیک جس طرح عہدِ قدیم کی شہنشاہیت میں تھی۔ یونان و روم و ایران سے برطانیہ و امریکہ تک کے پرانی اور نئی استعماریت (Imperialism) اور نوآبادیت (Colonialism) کی تباہ کاریوں کی روداد کل تاریخ

کے صفحات میں پڑھی جاتی تھی، آج ان اوراق کے علاوہ میڈیا کے مناظر میں بھی دیکھی جارہی ہے جو انسانیت کو لرزہ براندام کر رہی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں اسلامی تاریخ کے حوالے سے اسی حقیقت کی نشان دہی کی ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ غیر اسلامی ملوکیت کے مقابلے میں اسلامی خلافت ہی وہ نظریۂ سیاست ہے جو صحیح معنوں میں آزادی رائے، مساوات، عدلِ اجتماعی اور فلاحِ عامہ (public welfare) کی ضمانت دیتا ہے اور صلاحیت و خدمت دونوں کی قدر شناسی کرتا ہے۔ ریاست کے اسی تصور سے معاشرے کی درستی و ترقی ہوتی ہے۔

○ پردہ: کسی بھی سماج کی ریڑھ کی ہڈی ہے مرد اور عورت کے تعلّق کا توازن، جس پر پورا خاندانی نظام مبنی ہوتا ہے اور انسانیت کو اس کے محور پر قائم رکھتا ہے۔ اس توازن کو برہم کرنے والی چیز بے پردگی ہے، جو اگر قدیم دورِ جاہلیّت میں ایک بیماری تھی تو اب ایک وبا بن گئی ہے۔ اسی نے یونان و روم کے معاشرے کو تباہ کیا تھا اور یہی برطانیہ و امریکہ وغیرہ کے معاشرے کو غارت کر رہی ہے۔ مرد و زن کے بے محابا اختلاط کی تباہ کاری کا ایک عبرت انگیز نمونہ سترھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں لکھی جانے والی Restoration Comedy کے انگریزی ڈرامے ہیں، جو جنسی سازشوں، آلودگیوں اور بے حیائیوں کے شرم ناک مرقعے پیش کرتے ہیں، اگرچہ دورِ جدید کی بے پردگی ان مرقعوں سے بھی زیادہ ہولناک اور نفرت انگیز ہے۔ آج کے مخلوط سماج نے رشتوں کو پامال کر دیا ہے، نسوانیت کو بازار اور کاروبار کی جنس بنا دیا ہے، یہاں تک کہ فنونِ لطیفہ عریانی و فحاشی کا دوسرا نام بن گیا ہے۔

اپنی کتاب پردہ میں مولانا مودودیؒ نے جسمانیات (Physiology) اور نفسیات (Psychology) وغیرہ علوم و فنون کے مستند حوالوں سے بہ تحقیق ثابت کیا ہے کہ قدرتی طور پر مرد اور عورت دو مختلف جنس ہیں اور ان کے فطری تقاضے مختلف ہیں۔ لہٰذا دونوں جنسوں کا بے حجابانہ خلط ملط، غلط اور نقصان دہ ہے۔ چنانچہ ان کے دائرہ ہاے کار ایک دوسرے سے الگ ہونے چاہییں اور ہر ایک کو اپنے مخصوص دائرے میں اپنے خاص طریقے ہی سے کام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ اسی طرح ان کی جداگانہ صلاحیتوں کا نشوونما بھی ہوگا اور ان کے عزائم کی تکمیل بھی ہوگی۔ یہ سماج کی بہتری کے لیے مرد اور عورت کے باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل کی صحیح و مفید شکل ہوگی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عورت کا نامحرم مردوں سے پردہ ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مولانا نے پردے کی

معقول کیفیت بھی بیان کر دی ہے اور اس کی قابلِ عمل حدود کا تعین کر دیا ہے، تاکہ خاندانی نظام انتشار سے محفوظ رہے اور معاشرے کی تنظیم برہم نہ ہو۔

○ **سود:** معاشیات میں ساری خرابیوں کی جڑ زر پرستی ہے، جسے مروجہ اصطلاح میں سرمایہ پرستی (Capitalism) کہا جاتا ہے۔ یہ مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے، جو دولت کی پرستش تک پہنچ کر آدمیت کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ نفع اندوزی کی یہ ہوس (lust for interest) انسانی اخلاق اور تہذیبی اقدار کے لیے سم قاتل ہے۔ مولانا مودودیؒ نے سود میں تفصیل و تحقیق کے ساتھ اس مہلک زر پرستی کا پول کھول دیا ہے، حالانکہ جدید تمدن کی رونق اسی پر مبنی ہے اور بنکوں نے سود (Usury) کو پورے انسانی معاشرے میں زہر کی طرح پھیلا دیا ہے۔ یہ سودی بنک کاری اشتراکی کہلانے والے ملکوں میں اسی طرح موجود ہے، اس کی شکل جو بھی ہو، جس طرح سرمایہ دار کہلانے والے ملکوں میں جمہوریت ہو کہ آمریت، کوئی بھی نظامِ سیاست سود کے معاشی سرطان سے محفوظ نہیں۔

جدید تمدن کا سارا کاروبار سودی نفع اندوزی (profiteering) کے اصول پر چل رہا ہے، جس کے سبب امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہے ہیں۔ سود ہی کے بل پر دولت، خدائی کا سکہ چلا رہی ہے۔ حد یہ ہے کہ عالمی بنک اور انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) جیسے اداروں کے ذریعے ایک نئی شہنشاہیت دنیا کو نوآبادیت کے دورِ وحشت کی طرف واپس لے جا رہی ہے۔ سود کے ذریعے مولانا مودودیؒ نے تمام مسلم و غیر مسلم معاشروں کے سامنے ان کی اخلاقی پستی اور ترقیات کے مظاہروں کے باوجود انسانیت کے تشویش انگیز زوال کا آئینہ رکھ دیا ہے، تاکہ وہ خرابیِ احوال کا اندازہ کر کے اصلاحِ احوال کی جانب مائل ہوں۔

○ **اسلام اور ضبط ولادت:** سود کی تباہ کن معاشیات کی طرح ضبطِ ولادت کا روگ بھی معاشرت کو گھن کی مانند چاٹ کر کھوکھلا کر رہا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی درحقیقت قتلِ انسانیت کی ایک سازش ہے، جب کہ سود کی طرح اس منصوبہ بندی کو مقبول عام بنا کر رواج دینے کے لیے حکومتیں، خاص کر ترقی پذیر کہلانے والے ملکوں میں، پورے زور و شور کے ساتھ نہایت بے شرمی سے میڈیا کا استعمال کر رہی ہیں اور احمقانہ اشتہارات کے ذریعے فحاشی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ یہ دراصل خوش حالی کے نام پر خودکشی کی کوشش ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس غلط پالیسی کے تار و پود